

لُسِب

حفیظ تائب

الفنان رضا ز غزني سطريج اردو بازار ○ لاہور

خوبصورت، معاصر، حکایتیں



الْفَرُوقُ انڈپَرَائزَد
ابنِ امَامٍ مُحَمَّدٍ سَعِيدَ الْكَوَافِي

جمل حقوقِ حق مصنف محفوظ

ا شاعت اول: 2003ء

مطبع: زاہد شیر پرنٹرز لاہور

سرورق: ساجد قریشی

قیمت: 100/- روپے

انشاب

محترم احمد ندیم قاسمی

اور

پیارے خالد احمد

کے نام



صفیٰ نبر

- 11 نعتِ نگار حفیظ تائب کی غزل احمد ندیم قاسمی
- 15 نامِ حق سے جو پرچم کھلا جمد کا (حمد)
- 17 الطاف تیرے خلق پر ہیں عام اے کریم (مناجات)
- 19 وہ نورِ جاں افق آ را ہوا ہے (نعت)
- 23 شاعرِ انگر گوئے خوش گفتار (قصیدہ غالب)
- 31 غزل

- 33 سودائے سراب دے گئے ہیں
- 37 اک در درسا پہلو میں مچلتا ہے سرِ شام
- 39 بھول بھی جا کس طرح گزارا پچھلادن ہے
- 41 مان لیتے ہیں بُرے آپ طبیعت کے نہیں
- 43 منزل ہے رو برو جو ہے سمت سفر درست
- 45 دل کو یقین اس کی محبت کا آ گیا
- 47 طوفاں میں جب بحال ہیں صحراء کے خط و خال
- 49 اے مری بوللموں مhydrone

- 53 مرکز سے اپنے میں ہوں کچھ ایسے ہٹا ہوا
 55 شامِ غربت میں وہ مسدود بھی نہیں
 57 طلب سود کہاں کام آئی
 59 عجب رفتؤں کے سزاوار ہیں ہم
 61 راز اب کوئی راز بھی تو نہیں
 63 کلک جس دن سے کم کم ہو گئی ہے
 65 گزر اجود رحد سے تو میں نے کبھی غزل
 67 آنکھ سے مہتاب جب اوچھل ہوا
 69 اک نیا کرب مرے دل میں جنم لیتا ہے
 71 شعر کی قدر شہر میں کیا تھی
 73 ذہن و دل کو بسا گئی خوشبو
 75 کیوں نہ دل کو ہوتیری یاد عزیز
 77 منزلِ جانش کتنی کڑی ہے
 79 غم پیار میں پائے ہیں کیا کیا ہم نے غمِ دراں سے پہلے
 81 بے کیف ہے حیات کوئی پوچھنا نہیں
 83 میں ہوں اور گردشِ ایام خدا خیر کرے
 85 غم سے اس درجہ پیار ہے دل کو
 87 کہتا ہے کون تجھ سے مسرت کی بھیک دے

- 89 دل کی ہر ایک بات کے آئینہ دار ہیں
 91 زندگی جب سے ترے نام کی جا گیر بی
 93 لائے ہیں رنگ اشک ہمارے فراق میں
 95 آپ کا نقش پانچیمت ہے
 97 مت جاں مجھ پے سلسلہ آزار کار کا
 99 کسی کی جستجو میں سوچنے کی کس کو فرصت ہے
 101 پورے نہ ہو سکے کبھی آسودگی کے خواب
 103 پر دلیں میں اس طور پے یاروں کا تصور
 105 لفظ سے جب نہ اخبار باری خیال
 107 اسیر غم جونہ ہوتے تو زندگی کیا تھی
 109 نت نے داغ نت نے چر کے
 111 وہ لب پے پیار کا اقرار لائے
 113 جب سے مجھ کو جنوں نہیں اے دوست
 115 وہ زخم تھا جو چھوٹا
 117 نہ مجھوں جو بڑھ جاتے ہیں پلکیں بھیگ جاتی ہیں
 119 گزرتے مرے محشر دیکھنے تھے

نعت نگار حفیظ تائب کی غزل

احمد ندیم قاسمی

نعت عموماً غزل کی حدیث میں کہی جاتی ہے۔ یہ درست ہے کہ بعض ایسی نعتیہ نظمیں بھی کامیاب رہی ہیں جو گیتوں یا نظم آزاد یا نظم معری کی حدیث میں لکھی گئی ہیں مگر نعمتوں کی اکثریت غزل بھی کی حدیث میں تخلیق ہو رہی ہے۔ میر انظریہ ہے کہ جو شاعر کامیاب غزل کہہ سکتا ہے وہی کامیاب نعت کہنے پر قادر رکھتا ہے اور میرے اس نظریے کی میخ ترین مثال حضرت حفیظ تائب ہیں جنہوں نے غزل ہی سے تخلیق فن کا آغاز کیا تھا اور ان غزلوں میں ایسا ایسا نشر شعر کہا تھا، کہ میں اور ان کے عزیز دوست اختر حسین جعفری ان کی نعت نگاری کے عروج کے دور میں بھی ان کے پیچھے پڑے رہتے تھے کہ نعت کے ساتھ غزل بھی کہتے رہیے۔

حال ہی میں جب حفیظ تائب صاحب اپنی غزلوں کا مسودہ مرتب کر کے میرے پاس تشریف لائے تو میری صرفت کا نمکان نہ تھا۔ آخر جس شاعر نے غزل کے بے شمار "نشر" شعر کئے ہوں، اسے یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ غزل تذکرہ دے۔ اس کا غزل گوئی سے دست کش ہونا قادر تک بخشی ہوئی ایک نعت کو نظر انداز کرنے کے مترادف ہے۔

تائب صاحب کی غزل کا ایک عجیب پہلو یہ ہے کہ غزل کی اس روایت سے انہوں نے اپنے فن کو آلوہ نہیں ہونے دیا جس نے غزل کو تماشا سا بنا کر رکھ دیا تھا کہ کہیں رعایت لفظی کے پھول کھلانے جا رہے ہیں تو کہیں زیادہ سے زیادہ قوانی جمع کرنے کی استادی کے مظاہرے ہو رہے ہیں۔ تائب کی غزل صحیح معنوں میں جدید غزل ہے کہ وہ اپنے عصری حقائق اور اپنے گرد و پیش کی صورتیں حالات سے پوری طرح آگاہ ہیں۔

مثلاً وہ کہتے ہیں:

ہر آن نے سوال تاب
اعصاب جواب دے گئے ہیں
ہم سا بے مایہ کوئی کیا ہو گا اپنی آنکھوں میں تو آنسو بھی نہیں
لظٹ لو دینے لگے ہیں تو تجھ کیا
کیا تقاضے یہ مرے عہد کی ظلمت کے نہیں؟

ہر کوئی کرتا ہے یوں من مانی جیسے قانون ہو لا قانونی
کم خن، جور کش کم نظری فاجر مسد فن، باقونی
درامل حقیقت تاب صاحب کو کامل اور اک حاصل ہے کہ وہ اخباروں یا انہیں صدی کی بجائے
میسوں صدی کے بھی نصف آخر کے شاعر ہیں اور انھیں اسی کی تہائیدگی کرتا ہے۔ سو وہ کہتے ہیں:
اپنی طرف سے بھی مجھے کچھ کہنے دیجیے
کب تک سنائے جاؤں سبق میں رہنا ہوا
اسی اور اک نے انھیں مکمل مالی کاش کار نہیں ہونے دیا اور وہ پورے اعتقاد کے ساتھ
کہتے ہیں کہ انسانیت آخوندگی ملے گی:

مکراتا ہے روشنی کا گر
اڑتی اڑتی سی دھنڈ کے اس پار

بھول بھی جا، کس طرح گزارا پچھلا دن ہے
آج ہمارے مستقبل کا پہلا دن ہے
کھول درپچھے کوئی، کالی دیواروں میں
باہر دیکھ کہ کیا اجلہ اجلہ دن ہے

اندھیروں کے جنگل میں میں پا شکست
مگر عازِم شہر انوار میں ہم

گوشے گوشے میں ہے پتوں کی بہار
صحن سونے تھے، خزان کام آئی
یہ خزان میں بھی بہار کے پہلو دیکھ لینے والا شاعر اگر اوس بھی ہوتا ہے تو یہ ادا اسی بھی

تجھیتی اثبات رکھتی ہے:

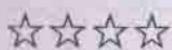
زندگی سوت کی ائی نہبڑی
دل نے کاتا اے پونی پونی
حفظتا بکی یہ اوسی بھی اگر کوئی استعارہ ہو صوندھتی ہے تو اس کے گرد و پیش کا ماحول
بھی اسے اس استعارے کا سامان مہیا کر دیتا ہے
یہ دل ہے مراء، یا کسی کٹیا کا دیا ہے
بجھتا ہے دم صبح تو جلتا ہے سرِ شام
یہ اوسی شاعر کو رجائیت سے باز نہیں رکھ سکتی، چنانچہ وہ اس عالم میں بھی جس مستر کا
اظہار کرتا ہے وہ سراسر تعمیری ہے

کاش وہ وقت آ جائے جب حق مجھ کہہ پائیں
ہر شب اپنی شب ہے، ہر دن اپنا دن ہے
یہ بات بھی نہیں کہ حفظتا ب غزل کے اس مرکزی اور دلکش موضوع سے دست کش ہو
گئے ہیں جس نے غزل کو آج تک زوال پذیر نہیں ہونے دیا۔ یہ حسن و عشق کا موضوع ہے جس
نے اردو اور فارسی غزل کو صدیوں سے چار چاند لگا کر کھے ہیں۔ اس ہمن میں حفظتا ب کے
کمالات منفرد ہیں:

بنتا ہے وہ اک چہرہ کبھی گل، کبھی شعلہ
سانچے میں خیالوں کے، جو ڈھلتا ہے سرِ شام

سوچوں کی گونج تھی کہ قیامت کی گونج تھی
اس کا سکوت حشر کے منظر دکھا گیا

وہ جب شرمدہ ہوتے ہیں تو ہنس پڑتا ہوں میں اکثر
وہ جب احسان گناتے ہیں، پلکیں بھیگ جاتی ہیں
حفیظ تائب کا نظری حق نہایت صاحب اور جاذب ہے اور ان کی ساری شاعری اسی
نظریاتی خود اعتمادی کا ثمر ہے۔ انہوں نے کوئی الگی لپٹی رکھے بغیر کہا ہے:
فن وہ فن ہی نہیں مرے زدیک
جو سکھاتا ہو زندگی سے فرار
اور ذرا اس نظریاتی تو انہی کا سلسلہ عمل دیکھیے
رنگ پاتا ہے مرے خون جگر سے گل شعر
بزرة فگر مری آنکھ سے تم لیتا ہے
اور یہ اتنی بڑی سچائی کا اعلان ہے کہ حفیظ تائب کے فن کے حوالے سے اس کی فتح کھانی
جا سکتی ہے۔



زمزہ مدد

نامِ حق سے جو پرچم کھلا حمد کا
رنگ چاروں طرف چھا گیا حمد کا

لحظہ لحظہ ہے شانِ الہی نی
ذالقہ بھی ہے پل پل نیا حمد کا

نیم شب کو بخوم اس کی باتیں کریں
صحمد چھیرے نغمہ صبا حمد کا

شامل اس میں خلاقتِ جہاں در جہاں
از ازل تا ابد سلسلہ حمد کا

اس کی تسبیح کرتے ہیں سب نجم و گل
کارواں ہے رواں جا بجا حمد کا

تو بنو اس کے امکان آشوب میں
دُور چلتا رہے گا سدا حمد کا

اس کو پھیلاتا چاہوں حدِ عمر تک
جب ملے لمحے دلکشا حمد کا

حمد کرنے میں احمد سا کوئی نہیں
جسکے دم سے ہے گلشن ہرا حمد کا

کیا خبر ہے کہ تائب وہ مقبول ہو
جو بیاں رہ گیا آن کہا حمد کا



مناجات

الظاف تیرے خلق پہ ہیں عام اے کریم
 تیرے سپرد ہیں مرے سب کام اے کریم

معبدو و کار ساز تجھے مانتا ہوں میں
 مجھ پر رہیں سدا ترے انعام اے کریم

امت ترے جبیب کی ہے مشکلات میں
 وا اس پہ کروے پھر در انعام اے کریم

ملت کے بال و پر کو بچا ہر گرفت سے
 پھیلے ہوئے ہیں چاروں طرف دام اے کریم

اقوامِ دہر اس سے سبھی فیض یاب ہوں
پھر ارتقاء پذیر ہو اسلام اے کریم

اخلاق کی مہک سے ہوں الفاظ مشکلبار
پھیلاؤں یوں رسول کا پیغام اے کریم

دیکھوں طلوع فجر کا منظر مدینے میں
سمّکہ کی وادیوں میں ہو گر شام اے کریم

تن سے نکل کے روح شارِ حضور ہو
تائب کا ہو شہیدی سا انعام اے کریم

دنیا کی کھلش میں رہا ہوں میں بے قرار
خاکِ بقیع میں ملے آرام اے کریم



نغمہ نعت

وہ نورِ جاں افق آرا ہوا ہے
ہر اک غنچہ شنا پیرا ہوا ہے

اتر آیا ہے کیا موسمِ گلُّ
بھاراں آشنا صمرا ہوا ہے

منڈیر اپنی ہے روشن جس کے اوپر
دیا اس نام کا رکھا ہوا ہے

محبتِ انس و جاں کی ہے محبت
وہ جس سے میرا دل پکھلا ہوا ہے

جدا کعبے سے ہوتے ہیں محمد
یہ منظر آنکھ میں نہرا ہوا ہے

رفیق ثور کو پا کر پریشان
چنے تسلیم کوئی گویا ہوا ہے

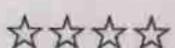
تکے جاتی ہے اس کو ام معبد
جو مہتاب اس کے گھر اترا ہوا ہے

شیعہ سے اُدھر کچھ بچیوں نے
خوشی کا زمزمه چھیرا ہوا ہے

ہادینے میں ہے کس کا خیر مقدم
ہر اک نے باب دل کھولا ہوا ہے

مرے سرکارِ ہی کے دم قدم سے
مزاجِ زندگی بدلा ہوا ہے

انہی کا خواب رحمت ہے جو تائب
افق سے تا افق پھیلا ہوا ہے



شاعرِ نفرِ گوئے خوش گفتار

پچھے عجب کشمکش سے دل ہے دوچار
مجھ کو گھیرے ہیں آن گنت افکار

سمٹا سمٹا ہے شہپر تختیل
سہا سہا ہے فکر کا رہوار

قصد ہے خارزارِ مدحت کا
گرچہ پائے خیال ہیں افگار

مدح غالب زمینِ غالب میں
جو ہے میرے شعورِ فن کی پکار

جس کا دریزہ گر ہے شغیر مرا
ذوق میرا ہے جس کا ریزہ خوار

مرحلہ ہے بڑا کٹھن درپیش
دا کروں کس طرح لپ گفتار

طفلکِ دل مچل رہا ہے مگر
دیکھ کر جاؤه طلب پُر خار

اک طرف پاس عظمتِ مددوح
دوسری سمت طبع سہل انگار

رت پ صوت و صدا مد فرما
تاکہ آسان ہو منزلِ دشوار

اے ادیپ شمیر و زندہ ضمیر
اے سخنداں انقلاب آثار

اے تکلم کے آبشار بلند
اے تفکر کے قلزم رخسار

درج بینش کے نیز تاباں
درج دانش کے گوہر شہوار

آسمانِ ادب کے ماہِ منیر
گلستانِ سخنوری کی بھار

میرے طاقِ ہنر کی زینت ہیں
تیری طبعِ رسا کے نقش و نگار

دائیٰ تیرے اجتہاد کا رنگ
سرمدی تیرے فکر کی مہکار

غالب عہد آفریں تو ہے
کاروانِ خیال کا سالار

میں ہی تیرا نیاز مند نہیں
جملہ اہل نظر ہیں باج گزار

نذر کرتا ہے ارمغانِ غزل
تیری خدمت میں تیرا مدح نگار

(غ)

رنگ لایا ہے دیدہ خوبیار
دیکھ کنج افق ہوا گلزار

اب تو ہے جاں بلب سیاہیء شب
اب تو روشن ہیں صبح کے آثار

موسم گل کی آمد آمد ہے
مہکے مہکے ہیں کوچہ و بازار

اب تو ہر داغ بن چکا ہے چدائغ
اب ہے کیا وجہ یاس اے دل زار

مکراتا ہے روشنی کا نگر
اڑتی اڑتی ہے دھند کے اس پار

اے حادث کی تند و تیز ہوا
ہم کو مت جان ریت کی دیوار

خامشی تھی بڑی اذیت تاک
میں نے ہنس کر پیا سم انہمار

فن وہ فن ہی نہیں مرے نزدیک
جو سکھاتا ہو زندگی سے فرار

تو بھی اپنی روشن بدل تائب
رو بہ تغیر ہیں کبھی اقدار

چل غزالِ غزل دکھاؤں تجھے
دشتِ مدحت میں اپنے فن کی بہار

اے فصاحت کے چشمہ شیریں
اے بلاغت کی جوئے خوش رفتار

غالب نامور دیا تو نے
جذبہ دل کو چکیر اظہار

ولوں کو زبان دی تو نے
فکر و فن کو دیئے نئے معیار

دے کے روحون کو ایک طرفہ گداز
کر دیا ذہن و دل کو باغ و بہار

وہ جہر بالیدگیء فکر و نظر
تیرے جاں بخش و لشیں اشعار

تیری تقلید کی مجال کھاں
غالب نکتہ دان و مجزہ کار

تیرے اسلوب کی مثال کہاں
اے نئے قصرِ شعر کے معمار

”اب وہ رعنائی خیال کہاں“

”شاعرِ نفر گوئے خوش گفتار“



غزل

o

سودائے سراب دے گئے ہیں
کیا کچھ ہمیں خوب دے گئے ہیں

سوچوں کی اداس ٹھینیوں کو
زخموں کے گلاب دے گئے ہیں

روحوں کی سپاٹ و سعتوں کو
حریرت کے سحاب دے گئے ہیں

سانسوں کی خوش ندیوں کو
موجوں کے رباب دے گئے ہیں

ویرانِ دلوں کے ساحلوں کو
کیا کیا درِ ناب دے گئے ہیں

چھیلوں کے درازِ دامنوں کو
عکسوں کی کتاب دے گئے ہیں

پرسوں کے تھکے مسافروں کو
عرصوں کے نصاب دے گئے ہیں

چہرے پہ بکھرتی جھریوں کو
اندوہِ شباب دے گئے ہیں

اچھا ہے وہ ہم زیاد کشوں کو
اور اک حساب دے گئے ہیں

ہر آن نے سوال تاب
اعصاب جواب دے گئے ہیں



o

اک درد سا پہلو میں مچتا ہے سر شام
 جب چاند جھرو کے میں نکلتا ہے سر شام

بے نام سی اک آگ دیک اٹھتی ہے دل میں
 مہتاب جو ٹھنڈک سی اگلتا ہے سر شام

کچھ دیر شفق پھولتی ہے جیسے افق پر
 ایسے ہی مرا حال سنجلتا ہے سر شام

یہ دل ہے مرا یا کسی کثیا کا دیا ہے
بجھتا ہے دم صح تو جلتا ہے سر شام

بنتا ہے وہ اک چہرہ کبھی گل، کبھی شعلہ
سانچے میں خیالوں کے جوڑ ہلتا ہے سر شام

چھٹ جاتی ہے آلام زمانہ کی سیاہی
جب دور تیری یاد کا چلتا ہے سر شام

میں دور بہت دور پہنچ جاتا ہوں تاب
رخ سوچ کا دھارا جو بدلتا ہے سر شام



o

بھول بھی جا کس طرح گزارا پچھلادن ہے
 آج ہمارے مستقبل کا پہلا دن ہے

گزری رات پرانے غم سے بوحل بوحل
 لیکن صورت نئی دکھانے والا دن ہے

لحہ لمحہ، ساعت ساعت جان غنیمت
 حال کا محض، فردا کا سرnamہ دن ہے

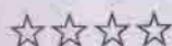
کھول دریچہ کوئی کالی دیواروں میں
باہر دیکھ کے کیا اجلا اجلا دن ہے

گرتے دریاؤں پر اتریں رنگ برائیں
تاباں تاباں شب ہے یا پھر چڑھتا دن ہے

دور دیواروں میں سینے سے ہوک اٹھاتا
خوش منظر، لیکن بے چہرہ عید کا دن ہے

کاش وہ وقت آجائے جب سچ مج کہہ پائیں
ہر شب اپنی شب ہے ہر دن اپنا دن ہے

آج ہے دن سرکارِ مدینہ کی بعثت کا
نعرہ زنا ہیں بے بس آج ہمارا دن ہے



o

مان لیتے ہیں مگرے آپ طبیعت کے نہیں
ہم کہ تسلیم کے خوگر ہیں شکایت کے نہیں

ابھنیں جتنی بھی ہیں ہم نے ہی پیدا کی ہیں
ہم جو شاکی ہیں تو اپنے ہیں مشیت کے نہیں

بالا دتی کا فسون اسلحہ کاری کا جنوں
یہ ذرائع تو ہلاکت کے ہیں عظمت کے نہیں

ل فقط لو دینے لگے ہیں تو تجھ کیسا
کیا تقاضے یہ مرے عہد کی ظلمت کے نہیں

کس توقع پر سرداہ گذر بیٹھے ہو
لوگ ساتھی ہیں تو عشرت کے ہیں غارت کے نہیں

ٹوٹتے دیکھے ہیں ان آنکھوں نے خون کے رشتے
کوئی بتلائے یہ آثار قیامت کے نہیں؟

اس قدر غور سے کیا دیکھ رہے ہو تاب
انتنے مجھم بھی تو الفاظ عبارت کے نہیں



o

منزل ہے رو برو جو ہے سمت سفر درست
 کیا غم ہے جو نہیں ہیں میرے بال و پر درست

کمزوری بدن کی شکایت نہ ہو مجھے
 رکھے خدائے پاک جو فکر و نظر درست

اس خون کے لوحڑے سے عبارت ہے زندگی
 سب کچھ درست جان، رہے دل اگر درست

سچھوں کہ آگیا ہے زمانے میں انقلاب
ہو جائیں گر غریب کے شام وحر درست

انسانیت کے درد سے جو بہرہ مند ہو
جذبہ وہی ہے راست وہی نغمہ گر درست

بھولے نہ جو شناخت کبھی گروپیش کی
رکھتا ہے وہ خیال ہمیشہ اثر درست

جو اپنے خال و خد کو بگز نے نہ دے کبھی
تاب میری نظر میں ہے بس وہ ہنر درست



o

دل کو یقین اس کی محبت کا آگیا
 مژہ کے دور تک جو مجھے دیکھتا گیا

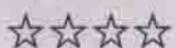
سوچوں کی گونج تھی کہ قیامت کی گونج تھی
 اُس کا سکوت حشر کے منظر دکھا گیا

یا اُس کی آرزو مجھے لے آئی اس طرف
 یا میرا شوق راہ میں صمرا بچھا گیا

سٹا خیالِ یار تو گلرگ اشک تھا
پھیلا تو مثلِ دشتِ وفا پھیلتا گیا

اب ان کی تازگی سے عبارت ہے زندگی
رخش کے جو نقوش کوئی چھوڑتا گیا

جاں ہار تو گیا کوئی کوئے مراد میں
پھر سے دل میں پھول وفا کے کھلا گیا



o

طفوں میں جب بحال ہیں صحرائے خط و خال
بدلے ہیں کیوں پھر ارض تمنا کے خط و خال

اتنی ہی دہتی جاتی ہے انسانیت کی روح
جتنے سورتے جاتے ہیں دنیا کے خط و خال

پانی کو گزرے ایک زمانہ گزر گیا
سمئے ہیں اب توریت میں دریا کے خط و خال

نادیدہ وادیوں کی کرتے ہیں مجھ کو سیر
یاد آتے ہیں جو اس رخِ رعناء کے خط و خال

کیا کچھ نہ محو ہو گیا قرطاس ذہن سے
بھولے نہ ایک یارِ شناسا کے خط و خال

یکسانیت کے پیچھے ہیں نیر نگیاں کئی
گو ایک سے ہیں گنبدِ بینا کے خط و خال

تابب ہمارے سامنے کتنے بد لگئے
اظہار کے تلاز مے، ایما کے خط و خال



o

اے مری بو قلموں مجزوںی
 کس کا جادو ہے تری گل گونی

زندگی سوت کی ائی ٹھیکری
 دل نے کاتا ہے پونی پونی

بند آنکھوں ترا رستہ دیکھا
 عمر کی چھاؤں رما کر دھونی

میرے احوال کی زندہ تصویر
میرے ماحول کی ناموزونی

چین پایا نہ درون خانہ
راس آئی نہ فضا بیرونی

ایے خائف ہوں زمانے بھر سے
جیسے بھاگا ہوا کوئی خونی

ہر کوئی کرتا ہے یوں من مانی
جیسے قانون ہو لا قانونی

خوبصورت ہے ہوس کی ناگن
پھیل جائے نہ سِم قارونی

کم سخن جو رکش کم نظری
فائزہ مسید فن باتوںی

آ ذرا تیز چلیں اے تائب
منزل زیست ہے کتنی سونی



o

مرکز سے اپنے میں ہوں کچھ ایسے ہٹا ہوا
جیسے کوئی پتگ خلا میں کٹا ہوا

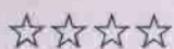
اب میرے دل میں نقش ابھرتا نہیں کوئی
یہ آئندہ ہے گرد سفر سے اٹا ہوا

آیا قبائے زیست کا ایک ایک چاک یاد
کارکسی کا میں نے جو دیکھا پھٹا ہوا

یکسوئی چاہتا ہے ہر اک پہلو نے حیات
لیکن ہے دھیان میرا برا بر بٹا ہوا

اپنی طرف سے بھی مجھے کچھ کہنے دیجیے
کب تک سنائے جاؤں سبق میں رٹا ہوا

تجدیدِ رسم و راہ کسی سے کروں تو کیا
تائب میں اپنی ذات سے بھی ہوں کٹا ہوا



o

شامِ غربت میں وہ مہرو بھی نہیں
 دور تک نور کی خوبیو بھی نہیں

جس بیاباں میں جنوں لایا ہے
 اس میں تو یاد کے آہو بھی نہیں

ہم سا بے ما یہ کوئی کیا ہوگا
 اپنی آنکھوں میں تو آنسو بھی نہیں

گردنی دہر ہو کیسے بس میں
اپنے حق میں تو وہ ابر و بھی نہیں

جانے اس ضد کا نتیجہ کیا ہو
ماننا دل بھی نہیں تو بھی نہیں

روگ جو تجھ کو لگا ہے تائب
اس کا پیارے کوئی دار و بھی نہیں



o

طلب سود کہاں کام آئی
 ہر کہیں خوئے زیان کام آئی

برف زادوں کو پکھلتے دیکھا
 حدتِ شعلہ جاں کام آئی

گوشے گوشے میں ہے پتوں کی بہار
 صحن سونے تھے خزان کام آئی

کب ہوا روح کا احوال بیان
 کس جگہ میری زبان کام آئی

زندگی نام گھٹن کا ٹھہرا
 کیا مری طبعِ رواں کام آئی

اپنی پہچان کچھ آسان ہوئی
 طنزِ آشفۃ سر اں کام آئی



o

عجب رفتؤں کے سزاوار ہیں ہم
 مہ خوں پر مطیع دار ہیں ہم

جور کھتے ہیں گرم فقاں بے بسوں کو
 انھی سرد جذبوں کا اظہار ہیں ہم

گرفتارِ خود جس میں حسن ازل ہے
 اسی کرب کے آئندہ دار ہیں ہم

اندھیروں کے جنگل میں ہیں پاشکستہ
مگر عازمِ شہر انوار ہیں ہم

سر راہِ دل ہاتھ پھیلائے کب سے
ترے منتظر مثلِ اشجار ہیں ہم

دیارِ حقائق کو جائیں تو کیسے
اسیرانِ زندانِ افکار ہیں ہم

ہمارا مقدر ہے شامِ غریبان
کہ صحیح طرب کے عزادار ہیں ہم

فضا دیکھ کر گھر آلوہ تائب
خلافِ طبیعت شر بار ہیں ہم



o

راز اب کوئی راز بھی تو نہیں
 خامشی کا جواز بھی تو نہیں

درد پھرے تو کس طرح پھرے
 وفقہ شب دراز بھی تو نہیں

رفقِ دل بحال ہو کیسے
 لغہ زن غم کا ساز بھی تو نہیں

ختم کیا بحر غم ہو؟ رو میں ابھی
ہمتوں کے جہاز بھی تو نہیں

جال سر افزار ہو تو کیوں کر ہو
گرد راہ حجاز بھی تو نہیں

جهل و دلنش میں، نور و خلمت میں
اب کوئی امتیاز بھی تو نہیں

پستیوں کا ہو کیا گلہ تائب
دل میں تائب فراز بھی تو نہیں



○

کک جس دن سے کم کم ہو گئی ہے
 طبیعت سخت براہم ہو گئی ہے

ہماری داستان سادہ سن کر
 کسی کی آنکھ کیوں نم ہو گئی ہے

نئے فتنوں کا ہے یہ پیش خیمه
 نظر جو دل کی محروم ہو گئی ہے

جمال و جلوہ کی بڑھتی کشش میں
نظر کی تاب مدھم ہو گئی ہے

ٹگاہ عام سے کچھ فاصلے پر
حسین کچھ اور شبفم ہو گئی ہے

تلائش آسودگی کو کرتے کرتے
پریشاں نسلِ آدم ہو گئی ہے

تضاداتِ جنوں منزل کا تائب
ہماری زیستِ عالم ہو گئی ہے



o

گزرا جو درد حد سے تو میں نے کہی غزل
 کوشش کے باوجود نہ ورنہ ہوتی غزل

جس میں خلوص بھی ہو، کنک بھی، امنگ بھی
 مطرب غزل ہو آج تو ایسی کوئی غزل

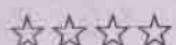
اس میں رچی بسی ہے مہک زلف یار کی
 سے دل کی دھڑکنوں کی ایس آج بھی غزل

مثیل سحر لطیف تو مانند شب عمیق
شعلہ کبھی، صبا کبھی، شبنم کبھی غزل

امن و اماں میں ہے یہ محبت کی راگنی
آیا جو دورِ جنگ رجز بن گئی غزل

تصویر اپنے عہد کی بھی اس میں دیکھ لو
آئینہ دار عصر بمیش رہی غزل

وہ فکر کی سلاست و ندرت کہاں سے لاوں
تاہب جو چاہتی ہے نئے دور کی غزل



o

آنکھ سے مہتاب جب او جعل ہوا
 اک ستارہ ٹوٹ کر مشعل ہوا

سر زمینِ روح پیاسی تھی بہت
 بارشِ غم سے عجب جل تھل ہوا

دل میں اتریں اپرائیں یاد کی
 آج اس جنگل میں بھی متگل ہوا

آپ کیوں ہنسنے لگے ہیں بے طرح
میں تو سودائی ہوا پاگل ہوا

ہے عذاب جاں، بیان اضطراب
میں غزل کہکہ بہت بے کل ہوا

زندگی تائب ورائے فہم تھی
جاں سے جب گزرے معتمہ حل ہوا



o

اک نیا کرب مرے دل میں جنم لیتا ہے
 قافلہ درد کا کچھ دیر جو دم لیتا ہے

رنگ پاتا ہے مرے خون جگر میں گل شعر
 سبزہ فکر میری آنکھ سے نم لیتا ہے

ذہن بھٹکا ہوا ملتا ہے برابر اس کو
 آج فنا کار جو ہاتھوں میں قلم لیتا ہے

فکر کے ساتھ جسے دولت احساس ملے
چین وہ کا رگہ زیست میں کم لیتا ہے

چاند بن جاتا ہے ہر حرف صداقت تائب
جب بھی سقراط کوئی ساغر سم لیتا ہے



o

شعر کی قدر شہر میں کیا تھی
بات میری صدا بہ صمرا تھی

ذہن کا جس جس سے ٹوٹ گیا
وہ نئی روشنی کی پُرودا تھی

میں تماشا تھا اک جہاں کے لیے
اس پہ بھی حسرت تماشا تھی

فکر کے ساتھ جسے دولت احساس ملے
چین وہ کا رگہ زیست میں کم لیتا ہے

چاند بن جاتا ہے ہر حرف صداقت تائب
جب بھی سفر اٹ کوئی ساغر سم لیتا ہے



o

شعر کی قدر شہر میں کیا تھی
بات میری صدا بے صحرا تھی

ذہن کا جس جس سے ٹوٹ گیا
وہ نئی روشنی کی پُردا تھی

میں تماشا تھا اک جہاں کے لیے
اس پہ بھی حسرت تماشا تھی

میرے کس کام تیرے ہنگا مے
میری تہائی تھی مری ساتھی

کم نہ تھی فتنہ ہائے دوراں سے
وہ قیامت جو دل میں برپا تھی

جائ سپاری کی جب نہ تھی تو فیق
سر بلندی کی کیوں تمنا تھی

تج کے دنیا کو جب چلے تاب
ساتھ اک خواہشون کی دنیا تھی



o

ذہن و دل کو بسا گئی خوبیو
 تافہ فن کی سرمدی خوبیو

جانے کس کنج گل سے آئی ہے
 یہ جنوں خیز اجنبی خوبیو

یا تھی زنجیر میرے پاؤں کی
 یا مری رہگزر بنی خوبیو

تازہ کرتی ہے زخم دل ہر شے
شبیمیں پھول ، مدد بھری خوبیو

کوئی ایسے سے کہاں جائے
رات، برسات، نیگی، خوبیو

میں نہ کیوں اس پہ جان دوں تائب
جب نبی کو پسند تھی خوبیو



o

کیوں نہ دل کو ہو تیری یاد عزیز
 کس کو اپنا نہیں مقاد عزیز

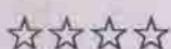
روند کر پھول آرزوؤں کے
 شکر ہے ہو گئے ہیں شاد عزیز

دے گئے ہیں نشانیاں غم کی
 مجھ کو آتے رہیں گے یاد عزیز

تو ہی اے بے کسی سہارا دے
چل دیئے کہہ کے خیر باد عزیز

مجھ کو جب خود پہ اعتماد نہیں
کیوں کریں مجھ پہ اعتماد عزیز

یہ بھی اب میرا جی جلاتے ہیں
تھے کبھی مجھ کو ابرو باد عزیز



o

منزل جاناں کتنی کڑی ہے
 قدم قدم پ دار گڑی ہے

دشنه غم ہے لمحہ لمحہ
 تیر ملامت گھڑی گھڑی ہے

کنج قفس کے رہنے والو
 آزادی بھی قید کڑی ہے

وہ ہیں اور مغل آرائی
ہم ہیں اور اشکوں کی جھڑی ہے

ذہن ہے اور سوچوں کا صحراء
آنکھ بس اک چہرے پہ گڑی ہے

کس کو خبر کیوں دل کی بستی
مدت سے ویران پڑی ہے

تاب سچائی کا دعویٰ
منہ چھوٹا اور بات بڑی ہے



o

غم پیار میں پائے ہیں کیا کیا ہم نے غم دوراں سے پہلے
دل کی زینت تھے زخم کئی اس کرب نمایاں سے پہلے

اظہار پریشاں حالی کی نوبت یہ بدرجہ آئی ہے
چپ چاپ ہے کتنے صد مے اس چاک گریاں سے پہلے

غنجوں سے قبسم روٹھ گیا پتوں کی زبانیں سوکھ گئیں
یہ کیسی ہوا میں آئی ہیں آغاز بہاراں سے پہلے

پروانے کی کیا حالت تھی پوچھا ہوتا پروانے سے
اک شعلہ لرزائ سے پہلے اک شمع فروزائ سے پہلے

مرنا ہی تو ہے مر جائیں گے اے موت ابھی کچھ دن کے لیے
دو ہاتھ ہمیں کر لینے دے اس عمر گریزاں سے پہلے

میں اپنے گناہوں کو تائب دھونے کا ارادہ رکھتا تھا
رحمت نے بڑھ کر تھام لیا ہے اشک فراواں سے پہلے



o

بے کیف ہے حیات کوئی پوچھتا نہیں
 اے رب کائنات کوئی پوچھتا نہیں

انسان کے مرتبے کی ہے تیرے جہاں میں قدر
 انسان کی صفات کوئی پوچھتا نہیں

اختر شاریوں میں گزاری ہے کس طرح
 غم کی طویل رات کوئی پوچھتا نہیں

میری شکست فاش کو سب دیکھتے رہے
کیسے ہوئی یہ مات کوئی پوچھتا نہیں

تاب ہے اپنی اپنی کبھی کو پڑی ہوئی
اک دوسرے کی بات کوئی پوچھتا نہیں



○

میں ہوں اور گردشِ ایامِ خدا خیر کرے
ایک ٹھوکر ہے بہر گامِ خدا خیر کرے

پھر سے ہیں قلب و نظر، لطف و کرم کے مرکز
مجھ کو معلوم ہے انجامِ خدا خیر کرے

مطربِ زیست نے اک راگ جو نبی چھیڑا تھا
چھا گئے حسرت و آلامِ خدا خیر کرے

سوزِ شب، آہ سحر، گریب، پیغم، شیسیں
ایک دل اس قدر انعام خدا خیر کرے

تیری اس نیم نگاہی سے مجھے الفت ہے
یہ حکایت بھی ہوئی عام خدا خیر کرے

میں جو رسوائے جہاں تھا تو کوئی بات نہ تھی
وہ بھی ہیں عشق میں بدنام خدا خیر کرے

کیا کہوں قصرِ محبت کی زمیں بوی کا
ایک تائب پہ ہے الزم خدا خیر کرے



o

غم سے اس درجہ پیار ہے دل کو
 اب خوشی ناگوار ہے دل کو

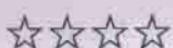
راس ہرگز نہیں سرور و نشاط
 بے قراری قرار ہے دل کو

اُس کے ملنے کی آرزو نہ کرے
 یہ کہاں اختیار ہے دل کو

آج بھی بے جھک چلے آؤ
آج بھی انتظار ہے دل کو

بے طلب کون کس سے ملتا ہے
بے سب اعتبار ہے دل کو

جانے کیا دل کو ہو گیا تائب
التفات ان کا بار ہے دل کو



o

کہتا ہے کون تجھ سے مرت کی بھیک دے
تو میرے دل کو دردِ محبت کی بھیک دے

حیرت کی بھیک ملتی رہی ہے اسے مدام
میری نظر کو آج زیارت کی بھیک دے

میں بھی غمِ حبیب سے کرلوں ذرا سا پیار
مجھ کو زمانہ تھوڑی سی فرصت کی بھیک دے

اس سے میں اپنا قصہ غم کہہ کے دیکھ لوں
اک بار وہ اگر مجھے خلوت کی بھیک دے

پس ماندہ میری عقل ہے محدود میری سوچ
مولا! مرے شعور کو وسعت کی بھیک دے





دل کی ہر ایک بات کے آئینہ دار ہیں
آنسو گزارشات کے آئینہ دار ہیں

جذبات کا فشار، طبیعت کا انتشار
باطن کی واردات کے آئینہ دار ہیں

اک بے رخی کی بات پہ جانا سے سو گلے
گھرے تعلقات کے آئینہ دار ہیں

ذرروں کے دل سے پھوٹے تو انہی کے پہاڑ
جو لانیءِ حیات کے آئینہ دار ہیں

صہبائے جاں فزا سے چھکتے ہوئے سبو
اس چشمِ التفات کے آئینہ دار ہیں

تاب میری غزل کے یہ اشعارِ کم نما
میرے تاثرات کے آئینہ دار ہیں





زندگی جب سے ترے نام کی جا گیر بُنی
کسی صحراء میں سحر کی کوئی تصویر بُنی

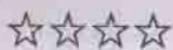
بیم و امید کے بے نام سفر میں رہنا
خوب خوابوں کے مسافر کی بھی تقدیر بُنی

کشش اس در کی پروبال ہوئی میرے لیے
گرد رہ جان حزیں کے لیے اکسیر بُنی

بارہا ہم نے بھی چاہا کہ کوئی کام کریں
بارہا یاد تری پاؤں کی زنجیر بنی

شوخی، جنم کی معراج یہی ہے شاید
شوخی، چشم ہی اب شوخی، تقریر بنی

جانتا کون تھا تائب کو زمانے بھر میں
اُن کی نسبت ہی سے ناچیز کی تو قیر بنی



o

لائے ہیں رنگِ اشکِ ہمارے فراق میں
بے آب ہو گئے ہیں ستارے فراق میں

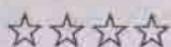
جب سے گئے ہو رنگِ چمن ہی کچھ اور ہے
افسردہ ہو رہے ہیں نظارے فراق میں

لیکن جیے بغیر بھی چارہ نہیں کوئی
جینا ہے گو عذابِ تمہارے فراق میں

دامانِ زندگی نہ مگر ہاتھ سکا
بیتیرے ہم نے ہاتھ پسارے فراق میں

درactual جینے والوں کی اک نقل یہ بھی ہے
جیتے ہیں جیسے درد کے مارے فراق میں

تاہب اسے فراق ہے بڑھ کر وصال سے
جو ساری زندگی ہی گزارے فراق میں



o

آپ کا نقش پا غنیمت ہے
یہی منزل نما غنیمت ہے

خوبیاء بخت سے جو مل جائے
کوئی غم آشنا غنیمت ہے

زیست کے دشت میں تھی دھوپ ہی دھوپ
بادلوں کی ردا غنیمت ہے

بے مرادی میں جو نصیب ہوا
یہ غمِ دلکشا غنیمت ہے

یاس کے پھیلتے وہنڈلکوں میں
میرا دستِ دعا غنیمت ہے

زورپتی کے اس زمانے میں
اعتبارِ وفا غنیمت ہے

ناشناہی کے دور میں تائب
جو ملے ہم نوا غنیمت ہے



o

مت جان مجھ پ سلسلہ آزار کا رکا
 کس وقت اور کہاں عملِ ارتقا رکا

لئنے کا خوف سب کے سروں پ سوار تھا
 آرام کے لیے جو ذرا قافلہ رکا

سیما ب آرزو کو کہاں آسکا قرار
 کب جادہ طلب میں کوئی بادپا رکا

دم گھٹ رہا ہے زیست کی قدروں کا اس طرح
لگتا ہے سانس آب وہوا کا رکا رکا

تائب ادب میں یوں ہے تصور جمود کا
جیسے کہیں ہو ناقہ صح و مارکا



o

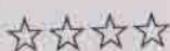
کسی کی جستجو میں سوچنے کی کس کو فرصت ہے
 جہاں رنگ و بو میں سوچنے کی کس کو فرصت ہے

اسیروں نے نفس کی قید میں کیا کچھ نہ سوچا تھا
 چمن کی باد ہو میں سوچنے کی کس کو فرصت ہے

تقاضے ابر و باراں اور فصلِ گل کے کیا کیا تھے
 بیہاں جوشِ نمود میں سوچنے کی کس کو فرصت ہے

ہمارے جذبہ دل کا بالآخر حشر کیا ہوگا
بجومِ آرزو میں سوچنے کی کس کو فرصت ہے

بھار آئی مگر اندیشہ ہائے نو بنو لے کر
لپ ساغر کو چو میں سوچنے کی کس کو فرصت ہے



o

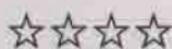
پورے نہ ہو سکے کبھی آسودگی کے خواب
تاریکیوں میں ڈوب گئے روشنی کے خواب

وہ زندگی ہوئی نہ میسٹر تمام عمر
اک عمر دیکھتے رہے جس زندگی کے خواب

غم میں رہے خوشی کے تصور سے ہمکنار
شیرہ شبیوں میں دیکھا کیے چاندنی کے خواب

بچپن سے دل میں رہ کے بھی جو اجنبی رہا
دیکھے ہیں سوتے جا گتے ہم نے اسی کے خواب

اب کارو بارِ زیست سے تائب کھاں فراغ
اب میں ہوں اور لذتِ آوارگی کے خواب



o

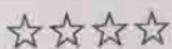
پر دلیں میں اس طور ہے یاروں کا تصور
 منجد ہمار میں جیسے ہو کناروں کا تصور

جھرنوں کی صدا کرتی ہے پیچھا مراب بھی
 اک آگ لگاتا ہے چناروں کا تصور

لہراتے ہوں شاداب کنوں جھیل میں جیسے
 جاں بخش ہے یوں اس کے اشاروں کا تصور

ڈرتا ہوں نگل لے نہ شبِ غم کی سیاہی
خوابوں کے شفق زار، بھاروں کا تصور

اک تازہ جنوں دل کو عطا کرتا ہے تائب
چاہت کی کئھن را گزاروں کا تصور



o

لقط سے جب نہ اٹھا بارِ خیال
کسے کسے کیا اظہارِ خیال

دل میں جب درد کی قدریل جلی
تمتمنے لگے رخسارِ خیال

روح کے زخم نہ مر جائیں کبھی
تا ابد مہکے چمن زارِ خیال

غم پہ موقوف ہے تاثیر بیاں
غم سے ہے رونق بازارِ خیال

وادیِ شب کا مسافر ہوں مگر
ہمسفر میرے ہیں انوارِ خیال

راکپ فہم ہے بے بس تائب
اور منہ زور ہے رہوارِ خیال



o

اسیں غم جو نہ ہوتے تو زندگی کیا تھی
 یہی ستم جو نہ ہوتے تو زندگی کیا تھی

غم و الم ہیں نگارِ حیات کے زیور
 غم و الم جو نہ ہوتے تو زندگی کیا تھی

رہ وفا کا ہر اک مرحلہ کٹھن ہی سہی
 یہ پچ و خم جو نہ ہوتے تو زندگی کیا تھی

یہ الجھنیں یہ جھیلے ہمارے دم سے ہیں
جہاں میں ہم جونہ ہوتے تو زندگی کیا تھی



o

نت نئے داغ، نت نئے چرکے
زندگی ! ہاں ستالے بھر کے

دل لگایا تو اک ستم گر سے
کھائی ٹھوکر تو ساتھ پھر کے

حضرت بیکرال، غم و افر
اب سہارے ہیں جان مضطرب کے

دل کا سب حال کہہ دیا اس نے
مجھ پہ احساں ہیں دیدہ تر کے

ذہن کو روشنی سی دیتے ہیں
خال و خط اس جمیل پیکر کے

جانے کن منزلوں کے راہی ہیں
قافلے مہر و ماه و آخر کے

ہم نے غم پائے مستقل تائب
شادمانی کی آرزو کر کے



o

وہ لب پر پیار کا اقرار لائے
مرے ارمان برگ و بار لائے

سائل بھی سمجھتے ہی گئے جب
وسائل کو بروئے کار لائے

پذیرا ہو وفاداری کا ہدیہ
ہم اپنے پیرہن کے تار لائے

تہسیم لائے وہ اپنے لبوں پر
دوائے خاطر بیمار لائے

نظر میں اک جہان رمز و معنی
جلو میں عکھت و انوار لائے

نئی باتیں نہ لائے گرچہ تائب
نیا پیرایہ اظہار لائے



o

جب سے مجھ کو جنوں نہیں اے دوست
 ایک لختہ سکون نہیں اے دوست

ان کا اس درجہ مہرباں ہونا
 کوئی اچھا شگون نہیں اے دوست

ٹوٹ جائے جو ایک رنجش سے
 پیار ایسا فسوں نہیں اے دوست

زن کہے بھی جو ہو سکے ظاہر
حال ایسا زیوں نہیں اے دوست

کیسے ممکن مرض کی ہو تشخیص
جب رگوں ہی میں خون نہیں اے دوست

زیست بکھی تو کس طرح بکھی
درد بھی جب فزوں نہیں اے دوست

o

وہ زخم تھا جو پھوٹا
 وہ تیر تھا جو چھوٹا

تارا تھا کہ آنسو تھا
 یا چکا تھا یا نوٹا

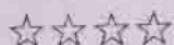
یہ کیسی آئی ہوا ہر بوتا
 مر جھا گیا ہر بوتا

نفعے کہاں برباط میں اک شعلہ فقط پھوٹا

باخھوں سے گئی دنیا دامن کوئی کیا چھوٹا

دل کیسا خزانہ تھا
ہر اک نے جسے لوٹا

چھوٹا تو وہ ہے لیکن
کون اس کو کہے چھوٹا



o

نے سمجھو غم جو بڑھ جاتے ہیں پلکیں بھیگ جاتی ہیں
 خوشی کی بھیک جب پاتے ہیں پلکیں بھیگ جاتی ہیں

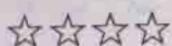
سکوتِ نیم شب سے جب کوئی نغمہ ابھرتا ہے
 ستارے اشک بھر لاتے ہیں پلکیں بھیگ جاتی ہیں

کسی چشمِ نشاط آگیں نے جس کو رنگ بخشتا تھا
 وہ قصہ جب بھی دھراتے ہیں پلکیں بھیگ جاتی ہیں

محبت میں بفیضِ وضudاری یوں بھی ہوتا ہے
لبوں پر قبیلے آتے ہیں پلکیں بھیگ جاتی ہیں

پریشان خاطری پوشیدہ رکھنا سخت مشکل ہے
اگر ہم دل کو سمجھاتے ہیں پلکیں بھیگ جاتی ہیں

وہ جب شرمندہ ہوتے ہیں تو ہنس پڑتا ہوں میں اکثر
وہ جب احسان گتواتے ہیں پلکیں بھیگ جاتی ہیں



o

گزرتے سر سے محشر دیکھنے تھے
یہ دن بھی زندہ رہ کر دیکھنے تھے

خبر کیا تھی مری ویراں نظر نے
ہلاکت ہی کے منظر دیکھنے تھے

جھلتے دیکھنا تھا کونپاؤں کو
گل نو خون میں تر دیکھنے تھے

سینہ بھی تھا کمزور اور اس نے
ابھی پھرے سمندر دیکھنے تھے

جنہیں منزل کا اندازہ نہیں تھا
ہمیں ایسے بھی رہبر دیکھنے تھے

زہے قسمت بھاروں میں بھی تائب
خرماں کے تکھے تیور دیکھنے تھے